ISSN:3007-3324 (P) Tashkeel-e-Jadeed Volume:2, Issue:1 July to December, 2024
ISSN-3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

☆ڈاکٹر دبیر عباس

اسلم انصاری کی کتاب "فیضانِ اقبال" (فکرِ اقبال کی نئی شعریات) کا اسلم توضیحی مطالعہ

An explanatory Study of Aslam Ansari's Book "Faizan-e-Iqbal (Fikr-i-Iqbal ki Nai Sheriyat)"

Abstract

Allama Iqbal is a poet as well as a philosopher of Urdu and Perian Language. The dissemination and universality of Iqbal's thought and art took him out of individuality and made him a cultural heritage. His philosophical poetry has a complete system of life in it. It not only invites contemplation but also inspires action. Dr. Aslam Ansari has a special attachment to Iqbal and Iqbal's thoughts. He is a prominent contemporary Urdu poet. Besides being a poet, he is also considered an important Iqbal Shanaas, researcher and critic. He has not only shown creative excellence in Urdu but has also written excellent poetry in Persian, English and Saraiki. His poetry comprises of many books including "Faizan-i-Iqbal". This is the only book of poetry by Aslam Ansari which can be included in the category of poetry as well as in Iqbaliyat. In this book, on the one hand Iqbal's thought has been created as a new poetry in the shade of Iqbal himself, on the other hand, a poetic tribute has been presented to Iqbal. In This article is an analytical study of this unique creation.

Keywords: Iqbal, Aslam Asnari, Faizan-i-Iqbal, Ghazal, Art, Poetry,

عالم گیر فکر اور بڑی شاعری کو ہمیشہ تشریحات و توضیحات کی ضرورت رہتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ ضرورت اُس خاص فکر یا اس بڑی شاعری کی نہیں بلکہ ہر آنے والے عہد اور زمانے کی ہوتی ہے کہ وہ بڑے شعراء کے فکر و فن کا، اپنے حالات و تناظرات میں جائزہ لے کر سمجھنے کی کوشش کرے۔ اردو کی ادبی تاریخ میں غالب اور اقبال ایسی شخصیات ہیں، جن کی حیات میں ہی اُن کی زندگی، شخصیت، کردار اور فکر و فن پر تنقیدی و تحقیقی کام شروع ہو گیا تھا۔ اِس آگاہی، جسے غالب شناسی اور اقبال شناسی بھی کہا جا سکتا ہے، کی ابتدا خود غالب اور اقبال کی اپنی ذات سے ہوتی نظر آتی ہے۔ غالب کے تو بہت سے اشعار اس بات پر دال ہیں۔ اقبال کا بھی اپنے بارے میں یہ کہنا کہ "اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے"، دراصل ایک ایسی تمنا اور خواہش ہے،

☆اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج میانی
dabirshah@gmai.com

جسے اقبال شناسی کہا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی تپش تھی جس میں نہ صرف وہ خود جلے بلکہ آج تک جوئندگانِ اقبالیات جل رہے ہیں اور جلتے رہیں گے۔ اقبال کے فکر و فن کی وسعت اور ہمہ گیری نے اُنھیں انفرادیت سے نکال کر ایک تہذیبی ورثہ بنا دیا۔ اُن کی فلسفیانہ شاعری اپنے اندر ایک مکمل نظامِ زندگی لیے ہوئے ہے۔ نہ صرف غور و فکر کی دعوت دیتی ہے بلکہ عمل پر بھی ابھارتی ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کو فکرِ اقبال سے خاص دل بستگی اور دل چسپی ہے۔ نظم ہو یا نثر اُن کی اکثر گفتگو اقبال کے گرد گھومتی ہے۔ اسلم انصاری کی اقبال سے ذہنی اور جذباتی وابستگی کا ثبوت اُن کی درج ذیل کتابیں ہیں، جو شعر و فکرِ اقبال کی تفہیم و تشریح کے حوالے سے لکھی گئیں۔

۱۔ اقبال عہد آفریں
۲۔ شعر و فکرِ اقبال
۳۔ اقبال عہد ساز شاعر اور مفکر
۴۔ مطالعاتِ اقبال
۵۔ فیضانِ اقبال (فکر اقبال کی نئی شعریات)

"فیضانِ اقبال" اسلم انصاری کی شاعری کی واحد کتاب ہے جسے شاعری کے زمرے کے ساتھ ساتھ اقبالیات میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کو مجلسِ فکر و اقبال، ملتان نے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔ کتاب کا انتساب اسلم انصاری نے اپنے مرحوم دوست مشاق احمد پرواز کی یادوں کے نام کیا ہے، جو دیارِ غیر (لندن) میں رہتے ہوئے بھی قرآن اور اقبال سے بے پناہ عشق کرتے تھے۔ اسلم انصاری اس کتاب کو اپنے ایک دوست کی خواہش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، جس نے انہیں ایک ریڈیو پروگرام کے لیے اقبال کے بعض نقادوں پر منظوم غنائیہ فیچر لکھنے کی دعوت دی۔ 'بیابہ مجلسِ اقبال' کے عنوان سے یہ فیچر تحریر ہوا، جسے انہوں نے ترمیم و اضافے کے ساتھ اس کتاب کی صورت میں شائع کروا کر کسی دعویٰ اور انکار کے بغیر اقبال پسندوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ اس لحاظ سے بھی قابلِ ذکر تصنیف ہے کہ اس کتاب میں اسلم انصاری نے اپنے فکر اور فلسفہ کے بجائے اقبال کے فکر و فلسفہ کو منظوم کیا ہے۔ وہ خود اس کتاب کے بارے میں پیش لفظ میں فرماتے ہیں:

> "اس تالیف کے بیشتر اجزا کلامِ منظوم کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کے بارے میں شعریت کا ادّعا خود فریبی کے مترادف ہوگا۔ شاعری اور کلامِ منظوم کا فرق مسلمات میں سے ہے، لیکن دنیا کی اکثر اچھی، معیاری اور بڑی شاعری جس

کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہر شاعر کی خواہش بھی ہوتی ہے اور کوشش بھی، کلامِ منظوم ہی کی صورت پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ اوراق ادعا اور انکار دونوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اور صرف اس امید کے ساتھ کہ شاید ان کے ذریعے فکرِ اقبال کی تفہیم کے کچھ نئے زاویے سامنے آسکیں، نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں۔"(۱)

کتاب کو سات عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔پیش لفظ کے بعد پہلا عنوان "فیضانِ اقبال(تحضور اقبال)"ہے، جس میں اسلم انصاری، مسلمانانِ برِ صغیر پر اقبال کے احسانات کا ذکر منظوم انداز میں کرتے ہیں۔دوسرا عنوان "بیابہ مجلسِ اقبال(نقادانِ اقبال کے افکار پر مبنی منظوم تمثیلیہ)" ہے۔اس نظم کو منظوم ریڈیائی تشکیل کہ دیا گیا ہے۔حاضرینِ مجلس، اقبال کے اہم ناقدین اور مفسرین ہیں۔نظم کی ابتدا میں ہی اُن کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔اِن اہلِ مجلس میں شامل معروف اقبال شناس ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے علاوہ نقاد اور مترجم پروفیسر آرتھر آربری، عرب مترجم ڈاکٹر عبدالوہاب (مصری دانشور) اور شہرہ آفاق جرمن خاتون ڈاکٹر این میری شمل شامل ہیں اِن ناقدینِ اقبال کو بطور کردار پیش کر کے اِن کے اقبالیاتی کام کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

منظوم اقبالیات کی دو مروجہ صورتیں ہیں۔ ایک اقبال کی فکر کی اقبال ہی کے رنگ میں نئی شعری تشکیل ، دوسری صورت اقبال کو منظوم خراجِ تحسین پیش کرنے کی ہے۔اسلم انصاری کی کتاب "فیضانِ اقبال" ان دونوں صورتوں کا حسین امتزاج ہے۔ کتاب کا آغاز 'فیضانِ جاوداں' سے ہوتا ہے، جس میں مسلمانانِ برصغیر کے احسانات کا ذکر کیا گیا ہے۔"فیضانِ اقبال" کی پہلی نظم 'بیابہ مجلسِ اقبال' ہے، اس میں تمثیلی انداز میں مشرق و مغرب کے معروف اقبال شناسوں کو کرداروں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اہلِ مجلس میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، پروفیسر آرتھر بری، ڈاکٹر عبدالوہاب عزام اور ڈاکٹر این میری شمل شامل ہیں۔ آغاز میں اقبالیات کے حوالے سے اِن ارباب کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مجلس کا آغاز راویان کی زبانی ہوتا ہے۔راوی اپنے اپنے انداز میں کسی ہستی کے ظہور کی خواہش کرتے ہیں۔اسلم انصاری نے راویوں کی گفتگو کو آزاد نظم کی صورت پیش کیا ہے۔نظم کا ترنم اور لَے نہایت دلآویز ہے۔جب راویوں کے لَے تیز ہوتی ہے تو 'نوائے سروش 'گونجتی ہے۔اِس نوا کے ذریعے پابند نظم کی صورت انتہائی خوب صورت انداز میں اقبال کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

'نوائے سروش' کے بعد اناؤنسر محبلس کا باقاعدہ آغاز کرتا ہے۔ سب سے پہلے "فکرِ اقبال" کے مصنف خلیفہ عبدالحکیم کی رومی و اقبال شناسی کا تذکرہ کرنے کے بعد دعوتِ سخن دیتا ہے:

آج کی محفل میں شامل ہیں جو اہلِ دانش و نقد و نظر
گو، رہی ہے نثر ہی اُن کو عزیز
آج کی یہ گفتگو اُن کی ہے لیکن نظم کے اُسلوب میں
لیجیے، سنیے، بیانِ ڈاکٹر عبدالحکیم (۲)

ڈاکٹر عبدالحکیم اندازِ مثنوی میں اپنی گفتگو پیش کرتے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلم انصاری نے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی زبانی وہی مخصوص زاویہ نگاہ بیان کروایا ہے، جو قریب قریب ہر اقبال شناس اقبال کے بارے میں رکھتا ہے۔ "فکرِ اقبال" کا مزاج بھی ایسا ہی ہے۔ خلیفہ کے بعد اقبال کے مستشرق مترجم پروفیسر آرتھر بری کو اُن کے کام کے خوب صورت تعارف کے ساتھ بلایا جاتا ہے۔ آرتھر بری اقبال کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"وہ مفکر کہ جس نے ہمارے جہانِ الم خیز کو
اک نئی دنیا کا رَویا دیا
جس نے تاریک راتوں کو صبحِ تمنا کا امکاں دکھایا
ابنِ آدم کو خود آگہی کی بشارت سے
توقیر کا روئے رخشاں دکھایا" (۳)

پروفیسر آرتھر بری کی گفتگو کے بعد اقبال کے ایک اور مترجم مصری دانشور ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کو دعوتِ سخن دیتا ہے۔ عزام نے اقبال کے کلام کا عربی میں ترجمہ کیا۔ عزام اپنی گفتگو میں اقبال کی خلاق طبیعت، فکرِ مجسم اور سراپا سوزی کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کے تمام سیاسی و سماجی مسائل کا حل اقبال کی شاعری قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے لیے اقبال کو وہی سمجھتے ہیں، جو اقبال نے رومی کو سمجھا تھا۔ ڈاکٹر عزام کے بعد اناؤنسر اطالوی ادیب اور شاعر اندر بوسانی کو دعوتِ گفتگو دیتا ہے۔ بوسانی کا ذکر اہلِ محبلس کے تعارف میں اسلم انصاری نے نہیں کیا۔ بوسانی نے "جاوید نامہ" کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ بوسانی کی گفتگو نطشے کے فوق البشر اور اقبال کے مردِ مومن کے گرد گھومتی ہے۔ بوسانی کے نزدیک اقبال کی فکر کا مرکزی نکتہ انسان کی خلاقی ہے۔ اطالوی ادیب کے بعد "روحِ اقبال" کے مصنف ڈاکٹر یوسف حسین خاں

کو بلایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف، اقبال کی شاعری کو حسن اور عشق کے اسرار کا حامل، فنِ کامل قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے بعد اِس مجلس کے آخری خطیب کو بلایا جاتا ہے۔ آخری خطیب مشہور جرمن خاتون مستشرق اور اقبال شناس این میری شمل ہیں۔ انھوں نے "جاوید نامہ" کو جرمن اور ترکی، جب کہ "پیامِ مشرق" کو جرمن زبان میں ڈھالا۔ اِس کے علاوہ اقبال کے فکر و فلسفے پر اُن کی ایک اور کتاب بھی اہمیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر این میری شمل اقبال کی شاعرانہ فنکاری کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ علمی و تنقیدی کام کو ناکافی سمجھتے ہوئے اقرار کرتی ہیں کہ اقبال کی فکری گہرائی تک رسائی آسان نہیں۔

'بیابہ مجلسِ اقبال' موضوع اور ہیئت کے حوالے سے ایک منفرد تجربہ ہے۔ اسلم انصاری نے اِس غنائیہ تمثیل میں جن خیالات کو پیش کیا ہے، وہ نہ صرف تصورات و انتقادِ اقبال کے ضمن میں معنی خیز اور فکر انگیز ہیں بلکہ اسلوبِ مجلس کے ہر کردار کے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ آزاد اور پابند نظم کے امتزاج کی صورت اسلم انصاری نے اپنی شاعرانہ مہارت کا بھی خوب اظہار کیا ہے۔ 'اقبال عالمِ مثال میں' مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی "فیضانِ اقبال" کی دوسری نظم ہے۔ اقبال نے جن دانش وروں سے اختلاف کیا، اسلم انصاری نے 'اقبال عالمِ مثال میں' اُن کا اقبال کے ساتھ منظوم مکالمہ پیش کیا ہے جو کئی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ "جاوید نامہ" میں اقبال نے رومی کی رہنمائی میں سیرِ افلاک کی اور مختلف کرداروں سے ملاقات کی۔ اسی انداز میں اِس نظم میں اسلم انصاری نے اقبال کو عالمِ مثال میں دکھایا ہے اور وہاں اقبال کی ملاقات اُن مشاہیر سے کروائی ہے، جن کا ذکر منفی انداز میں اقبال کے کلام میں ہوا ہے۔ اِن مشاہیر میں افلاطون، نطشے، برگساں اور حافظ شیرازی شامل ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز میں اقبال سے شکوہ کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری فہم و دانش سے اکتسابِ فیض کے باوجود ہمیں تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

سب سے پہلے افلاطون اقبال سے شکوہ کرتے ہیں کہ میرے مکالمات تہذیب و تمدن کا اثاثہ ہیں۔ آپ کے بزرگوں نے میرے فلسفے سے اپنی فکر کے چراغ روشن کیے حتیٰ کہ آپ کے مرغوب شاعر بیدل اور غالب بھی میرے پروردہ ہیں۔ شاید آپ میرے فکر و فلسفے کو سمجھ نہیں پائے تو آپ نے مجھے حق پسند کہنے کے بجائے 'گوسفند' کہہ دیا۔ اقبال، افلاطون کے حکمت و فلسفہ کی اہمیت اور اُس کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرتے ہوئے بڑے احترام کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ آپ کے تصورِ ایمان سے انسانی فکر

میں فساد پیدا ہوا کیوں کہ آپ کی نظر میں یہ کائنات حواس کا ایک دھوکا ہے جب کہ ہمارے ایمان میں یہ ایک حقیقت ہے اور خودی اس کا مرکزی نکتہ ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے اپنے ایک مختصر مضمون "اقبال کو افلاطون سے کیا اعتراض تھا؟" میں بھی افلاطون کے حوالے سے اقبال کے اختلافِ رائے کو بیان کیا ہے۔ اس مضمون میں افلاطون پر تنقید کرنے سے پہلے علامہ اقبال نے گوسفندوں اور شیروں کی ایک حکایت بیان کی ہے، جس کی رُو سے انھوں نے وضاحت کی ہے کہ کس طرح مغلوب اقوام، مقتدر اور طاقتور اقوام کی سوچ اور اخلاقیات کو اپنی خفیہ چالوں سے کمزور کرتی ہیں۔ اسی حکایت کا خلاصہ بیان کر کے اسلم انصاری نے شعری اقتباس مع ترجمہ و مفہوم پیش کیا ہے، جس میں اقبال نے افلاطون کے نظریات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس تنقید کا مرکزی خیال بیان کرتے ہوئے اسلم انصاری لکھتے ہیں کہ:

> "اس ساری تنقید کا مرکزی خیال یہ ہے کہ افلاطون نے جو "اعیانِ نامشہود" کا نظریہ پیش کیا وہ در اصل بے عملی کا فلسفہ ہے، کیوں کہ افلاطون کے نزدیک عالمِ اعیان میں چونکہ ہر چیز مکمل اور کامل ہے، اس لیے اس میں تغیر کا امکان نہیں۔۔۔ چونکہ افلاطون نے عالمِ موجودات سے منہ موڑ کر (غیر مشہود) عالمِ اعیان میں پناہ لی، اس لیے وہ بہت بڑا راہب (تارکِ دنیا) تھا۔۔۔۔ اقبال کا خیال ہے کہ اسلامی تصوف پر (نیز مسلم قوم کے ادب پر) افلاطون کے خیالات کا بہت گہرا اثر ہے۔"(۴)

افلاطون کے نظریات و تصورات "مکالمات" کے نام سے معروف ہیں۔ ان "مکالمات" میں ہر نوع کے موضوعات اور تعلیمات موجود ہیں۔ ان نظریات میں سے ایک نظریہ "اعیانِ نامشہود" کا بھی ہے۔ اس نظریے کے مطابق یہ مادی دنیا ایک مستقل وجود یعنی عالمِ اعیان کی نقل ہے اور یہ وہم و گماں سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ علامہ اقبال نے اسی نظریے کو لے کر افلاطون کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ علامہ کے مطابق ذات کی نفی کرنا کمزور اور بے بس قوموں کی اختراع ہے۔ وہ اس اختراع کی توسط سے طاقت ور اور مضبوط اقوام کے قویٰ کو مضمحل کرنا چاہتے ہیں۔ افلاطونی منطق بھی گویا ایک قوم کے افراد کی طاقت کو کمزور کرنے اور عمل سے عاری بنانے کا باعث بنتی ہے۔

علامہ اقبال اس نکتے کی وضاحت کرتے ہیں کہ جب مسلمان دانش وروں نے افلاطونی نظریات و افکار کو عام کیا تو اِن تعلیمات نے قوم کے افراد کو بے عمل اور کاہل بنا دیا۔ افلاطونی نظریات کا مسلمانوں کے عہد زرین کے صوفیانہ ادبیات پر گہرے نقوش ثبت ہیں۔ ان اثرات سے اسلامی علوم و فلسفہ میں خودی کی نفی، رہبانیت اور ترکِ دنیا جیسے نظریات پیدا ہوئے اور اِن تعلیمات نے ہر دور کے شیروں کو بھیڑ بکریوں کا طور طریقہ سکھایا ہے اور حاکموں کو محکومی کی طرف راغب کیا ہے۔۔ اقبال نے اسے "مسلکِ گوسفندی" کا نام دیا ہے۔ وہ اس مسلک کے تخیلات کو اسلامی تعلیمات کے روح کے منافی خیال کر کے اس سے اجتناب برتنے کا درس دیتا ہے۔

تصورِ فوق البشر کے بانی نطشے اقبال سے شکوہ کناں ہیں کہ جب آپ کا مردِ مومن ہمارے فوق البشر کی ہی صورت گری ہے تو پھر آپ نے ہمیں 'کوڑھ مغز' کیوں کہا۔ نطشے کے الزام کے جواب میں اقبال کہتے ہیں کہ آپ کی نارضگی بجا ہے۔ یہ درست ہے کہ میں نے آپ کے تفکر سے استفادہ کیا لیکن میری فکر پر آپ سے زیادہ گوئٹے کے تخیل کا اثر ہے اور ہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ علم و حکمت کسی کی میراث نہیں۔ ذرا غور کیجیے تو پتہ چلے گا کہ ہمارے اسلاف نے مغرب کو تہذیبِ زندگی سکھائے۔ اس کے بعد اقبال اپنے تصورِ مردِ مومن کو پیش کرتے ہیں۔ اسلم انصاری نے یہاں اقبال کی زبان سے ہی اقبال کے مردِ مومن کے تصور پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

فرانسیسی دانش ور ہنری برگساں، جس نے تخلیقی ارتقا کا تصور پیش کیا، نے شکوہ کیا کہ آپ نے میرے تصورات سے استفادہ کیا۔ میری طرح آپ بھی زمانہ ہی کو اپنا الٰہ مانتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے اِس فکری استفادے کا کہیں کھل کر اعتراف نہیں کیا۔ یاد رہے کہ اقبال نے اپنے ایک خطبے میں برگساں کا ضمنی طور پر تذکرہ کیا ہے۔ اقبال برگساں کے اس دعویٰ کی پر زور الفاظ میں تردید کرتے ہیں کہ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ زمانہ میرا الٰہ ہے:

کبھی زمانہ خدا ہو مرا خدا کی پناہ
کہ ہے پناہ میری، لا الٰہ الا اللہ (۵)

اقبال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ میرے نظریات سے کس قدر لاعلم ہیں، میں نے آپ کے تصورِ ارتقا سے استفادہ ضرور کیا لیکن آپ کی طرح فکر کی راہ اپنے اوپر تنگ نہیں کی۔ اسلم انصاری نے حاشیے میں اس مکالمے سے متعلق وضاحت کی ہے کہ اس کی ضرورت اس خیال کے پیشِ نظر پیش

آئی کہ آنے والے دنوں میں اقبال کے تصورِ زماں کو برگساں کے تصورِ الہ کا بدل نہ سمجھ لیا جائے۔

آخر میں مشرق کے بلند پایہ شاعر خواجہ حافظ شیرازی اقبال سے شکوہ کرتے ہیں کہ اگر میری شاعری میں فطری اثر انگیزی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ کی غزل میری غزل ہی کی پروردہ ہے، عشق اور گریہ و زاری آپ کے ہاں بھی ہے اور میرے ہاں بھی۔ پھر آپ نے میری شاعری کی بابت سکر و مستی کی بحث کو اتنا طول کیوں دیا ہے۔ اقبال حافظ کی زبان دانی اور رفعتِ تخیل کی تعریف کے بعد اُس کی طرزِ فکر پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری نظر میں فن وہی ہے جو خودی کی حفاظت کرے۔ اسلم انصاری نے اس مکالمے میں اقبال کے بجائے حافظ کا نقطۂ نظر زیادہ خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دفترِ شکایات بند ہوتا ہے تو 'نوائے سروش' سنائی دیتی ہے۔ اسلم انصاری در اصل مثنوی کے اس آخری حصے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ ماحصل ان خیالات کا یہ ہے کہ حریف کے بغیر زندگی وبال ہے۔ کوئی بات حرفِ آخر نہیں، اس کے لیے جانچ پرکھ درکار ہے۔ علم کی نعمت ہر کسی کو عطا نہیں ہوتی، سوائے جستجو کرنے والوں کے۔ کائنات کو وہی سمجھ سکتا ہے، جو گہرا مشاہدہ رکھتا ہو۔

اگلی نظم فکرِ اقبال پر مبنی، تیسری دنیا کے اقوام و ملل کے نام 'اقبال کا پیغام' کی صورت کتاب میں شامل ہے۔ کتاب کی فہرست میں غلطی سے اس نظم کے عنوان کو اپنے مقام پر نہیں لکھا گیا۔ اس نظم میں اسلم انصاری نے اقبال کی فکر کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ یہ بنیادی طور پر گذشتہ نظم 'اقبال عالمِ مثال میں' کے مباحث کے تناظر میں لکھی گئی نظم ہے، جس میں اقبال تیسری دنیا کو مغرب کی شاطرانہ چالوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر غیر کی توبیخ کو یونہی سہتے رہیں گے تو تاریخ آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

'جہانِ اقبال' اس کتاب کا وہ حصہ ہے جس میں اسلم انصاری نے اقبال کے کچھ تصورات کی نئی شعری تشکیل کی ہے۔ اس کے تحت نو نظمیں شامل ہیں۔ پہلی نظم 'خودی' ہے۔ آزاد نظم کی صورت میں 'خودی' کی حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے۔ دوسری مختصر نظم 'مردِ کامل' ہے، جس میں مردِ مومن اپنے آپ سے تہیہ کرتا ہے کہ میں نے ناتمامی کے ہر اک داغ کو دھونا ہے اور مکمل ہونا ہے۔ اگلی نظم میں اقبال کی شاعری میں برتی جانے والی معروف علامت 'شاہین' کی نئی تشکیل پیش کی گئی ہے۔ اگلی دو نظموں میں اقوامِ مشرق کی حالتِ زار اور اقوامِ مغرب کے منافقانہ رویوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تین اشعار پر مبنی نظم 'تعلیم' میں کہتے ہیں کہ جو تعلیم جہد و عمل کا پیغام نہیں دیتی، وہ مرگ و جنوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ 'افراد' میں اُن

افراد کو موضوع بنایا گیا ہے جو ایک نیا جہاں آباد کرتے ہیں اور اقوام کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ ایسے افراد شاعر کی نظر میں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

اس حصے کی اہم اور پہلی طویل نظم 'بادشاہی مسجد' ہے۔ یہ نظم تین بندوں پر مشتمل ہے۔ پہلا بند آٹھ، دوسرا چھ جب کہ تیسرا بند دس اشعار پر مبنی ہے۔ پہلے بند میں شاعر نے اس مسجد کو 'وحدت کی فضا میں ایک ابد پارہ' قرار دیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے بند میں مسجد کے جلال و جمال، عظمت و شکوہ، ظاہری حسن و زیبائش اور رعنائی کو پیش کیا ہے اور اِس کی زیبائی کو محنت کشوں کے خونِ جگر کی سرخی کا رہین بتایا گیا ہے۔ اس نظم کا محرک یقیناً اقبال کی 'مسجدِ قرطبہ' ہے، کہ اس نظم کو بھی شاعر اسلامی فنِ تعمیر کی جمالیات کی ایک علامت قرار دیتا ہے۔

اس حصے کی ایک اور اہم اور دوسری طویل نظم 'تہذیبِ نو' ہے۔ یہ نظم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تہذیب نو کا 'چہرہ' پیش کیا گیا ہے، جب کہ دوسرے حصے میں بہتری کے 'امکاں' کو دکھایا گیا ہے۔ پہلے حصے میں امریکہ اور یورپ کی تیسری دنیا کے ممالک کے بارے میں انتقامی اور ظالمانہ پالیسیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسلم انصاری بوسنیا، کشمیر اور فلسطین پر ڈھائے جانے والے مظالم پر افسردہ ہیں اور مشرقی اقوام کی بے بسی اور بے نوائی پر غم زدہ ہیں۔ تہذیبِ نو کا بھیانک چہرہ بے نقاب کرنے کے بعد اسلم انصاری اس میں بہتری کے امکان بھی دیکھ رہے ہیں۔ نظم کا دوسرا حصہ بہتر مستقبل کی نوید ہے۔ نظم کا یہ حصہ تشبیہات و استعارات سے لبریز ہے۔ یہ نظم اسلم انصاری کی سخن طرازی کا بہترین نمونہ ہے۔

"فیضانِ اقبال" کی اگلی نظم 'ساقی نامہ (جدید)' ہے۔ اسلم انصاری نے یہ نظم اقبال کے تتبع میں لکھی۔ ساقی نامہ ایک مخصوص بحر میں لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا شمار بھی متروک ہوتا نظر آ رہا ہے، لیکن اسلم انصاری نے اس صنف کو جیسے احیا بخش دیا ہے۔ نظم کو شروع کرنے سے پہلے ساقی نامی کی مختصر روایت بیان کرنے کے بعد اسلم انصاری خود اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اس میں تاریخ اور بعض اہم فلسفیانہ افکار سے اجمالی طور پر بحث کی گئی ہے۔ ان مباحث میں خود علامہ محمد اقبال کا تصورِ 'خودی' سرِ فہرست ہے، لیکن اسے تاریخ کے جدلیاتی عمل اور عصرِ حاضر کی معروف فکری روش فلسفۂ وجودیت کے تناظر میں رکھ کر دیکھنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک امتزاجی نقطۂ نظر سے حیات کے تناقضات سے ذہنی سطح پر عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی گئی

ہے۔"(۲)

عہدِ حاضر میں طاقتور اقوام کے طرزِ عمل اور ظلم و بربریت، من و تو کی بحث اور صوفیا کے محبت بھرے پیغام کی اہمیت اس نظم کے بنیادی مباحث ہیں۔ نظم کا اختتام یوں ہوتا ہے۔

اگر اب یہ سوتا نہ پھوٹا کہیں کہیں کھو نہ جائے یہ دنیا کہیں
خلاؤں میں اور کہکشاؤں میں، دور جہاں آدمی ہو نہ اُس کا شعور
خدایا اس انجام سے دور رکھ بشر کو محبت سے معمور رکھ
یہ نغمہ لبِ چنگ و مضراب ہو یہی رمزِ بیداری و خواب ہو!(۷)

فلسفیانہ مباحث کے باوجود اس نظم کے ایک ایک مصرع سے موسیقیت ٹپکتی ہے۔ روانی اور برجستگی ایک خوب صورت صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے۔

"فیضانِ اقبال" کا آخری حصہ 'گلِ منظر سے فتریں (کینٹوز)' ہے۔ اس حصے میں مراجعت، اگر غم کارگر ہوتا اور اگر پیغام دینا ہو، کے عنوان سے تین کینٹوز شامل ہیں۔ یہ کینٹوز، ہیئت کے اعتبار سے ثلاثی کی صورت ہیں۔ ہر ثلاثی کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہے۔ طویل بحر میں لکھی گئی یہ نظم نغمگی اور تاثر کی بہترین مثال ہے۔

پہلے کینٹو 'مراجعت (بادِ شمال کا ایک خیالی رپوتاژ)' میں ایک احساسِ کمتری کی طرف اشارہ ہے، جو شاعر کے خیال میں ماضی کی دین ہے۔ شاعر کے خیال میں یہ کائنات ماضی میں محض تصورات کے سہارے زندہ رہی ہے۔ خوشی کا وہم خوش رہنے کے لیے کافی ہوتا۔ انسان ایک عرصے تک پانی کے تصور سے پیاس بجھاتا رہا۔ خواہشات کے باغات میں بادِ نسیم کے بغیر فقط بہار کا ذوق رکھنے کے سبب پھول کھلتے رہے۔ یعنی آدمیت کے فروغ کے لیے خیالی باتوں پر گذارہ ہوتا رہا۔ اسلم انصاری کے نزدیک ماضی نے سوائے غربت، افلاس اور غلامی کے کچھ نہیں دیا۔

دوسرے کینٹو 'اگر غم کارگر ہوتا' میں غم کی بے اثری اور نارسائی کا شکوہ کیا گیا ہے۔ شاعر کے خیال میں اگر غم کارگر ہوتا تو میرے اشعار میں مدغم ہو کر درد کی تصویر بننے کے بجائے انسانیت کے دکھوں کا مداوا بنتا۔ کتنے مرحلے غم کی رکاوٹ کے باعث طے نہیں ہوتے۔ کتنی خواہشات کا خون ہوتا ہے۔ شاعر کے نزدیک غم دراصل اُن جابر لوگوں کی چالبازی کا نتیجہ ہے، جو بے اختیار لوگوں کے دکھ دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

نظم کے آخری کینٹو 'اگر پیغام دینا ہو' میں شاعر نے پرندوں، پھولوں اور ہواؤں کے ذریعے محبت کا پیغام دیا ہے۔ شاعر فطرت کے سبھی عناصر اور مظاہر کو محبت کا سفیر مانتا ہے۔ اس نظم کے تینوں کینٹوز موضوع کے اعتبار سے منفرد ہیں لیکن پیش کش کے لحاظ سے تینوں میں دلکشی، دلآویزی، ترنم اور موسیقیت بدرجہ اتم موجود ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس کتاب کی پہلی نظم 'بیابِ مجلسِ اقبال' میں ہم ایک ہی نشست میں اقبال اور ماہرینِ اقبالیات کے خیالات و نظریات سے آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔ 'اقبال عالمِ مثال میں' کے ذریعے اقبال پر اُٹھنے والے بعض اعتراضات کا نہایت خوب صورت اور مدلل انداز میں جواب مل جاتا ہے۔ 'جہانِ اقبال' اقبال کے مستقل موضوعات خودی، مردِ کامل، شاہین، تعلیم، اقوامِ مشرق اور اقوامِ مغرب کی نئی تشکیل کے ذریعے اقبال کے ساتھ ساتھ اسلم انصاری کے تصوارات بھی سمجھنے میں معاون ہے۔ 'ساقی نامہ (جدید)' جہاں تصورِ خودی کو وجودیت کے تناظر میں پیش کرتی ہے، وہیں اسلم انصاری کی شاعرانہ مہارت کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔ 'گلِ منظر سے قریں' کا تعلق بھی اقبال کی فکر کے ساتھ کسی نہ کسی سطح پر جا ملتا ہے۔

فکرِ اقبال کی یہ شاعرانہ ترجمانی فقط تحسین اور ستائش کا حق ہی ادا نہیں کرتی بلکہ تفہیم و تشریح کے علمی تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ روایتی مدح سرائی کے باوصف اقبال کی فکر کے مختلف پہلوؤں کو اضافوں کے ساتھ اس کتاب میں منظوم کیا گیا ہے اور ان منظومات کے ذریعے اقبال کی فکر کو دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جس کے سبب یہ کتاب اقبال کی فکر کے ضمن میں کچھ نئے مباحث بھی پیش کرتی ہے۔ مزید یہ کہ اس تخلیق میں ہیئت کے بھی مختلف تجربے کیے گئے ہیں۔ شاعرانہ اسلوب اور حکیمانہ طرز کی حامل یہ مجموعۂ کلام بحیثیتِ مجموعی اقبال شناسی میں ایک زبردست اضافہ ہے۔

حوالے

ا۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، "فیضانِ اقبال(فکرِ اقبال کی نئی شعریات)"، (ملتان: مجلسِ فکرِ اقبال،

۱۹۹۷ء)، ص ۱۳-۱۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۲

۳۔ ایضاً، ص ۲۶

۴۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، "مطالعاتِ اقبال"، (لاہور: دارالنوادر، ۲۰۱۷ء، اشاعت اوّل)، ص ۹۵

۵۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، "فیضانِ اقبال (فکرِ اقبال کی نئی شعریات)"، ص ۵۰

۶۔ ایضاً، ص ۸۰

۷۔ ایضاً، ص ۹۶

References:

1. Aslam Ansari, Doctor, “Faizan-i-Iqbal (Fikr-i-Iqbal ki Nai Sheriyat)”, (Multan: Majlas-i- Fikr-i-Iqbal, 1997), P: 13-14
2. Ibid, P: 22
3. Ibid, P: 26
4. Aslam Ansari, Doctor, “Motaliyat-i-Iqbal”, (Lahore: Dar-ul-Nawadar, 2017), P: 95
5. Aslam Ansari, Doctor, “Faizan-i-Iqbal (Fikr-i-Iqbal ki Nai Sheriyat)”, P: 50
6. Ibid, P: 80
7. Ibid, P: 96